خطبۂ جمعہ

مسلم قوم کبھی پس ماندہ نہ رہی

مرتب:

حضرت مولانا ڈاکٹر ظفر الدین برکاتی

ایڈیٹر ماہنامہ کنزالایمان، دہلی

پیش کش: کل ہند مرکزی امام فاؤنڈیشن، دہلی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ أما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَ يَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ‌ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ‌ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ. (سورہ زمر آیت 9)

ترجمہ: کیا وہ شخص جو سجدے اور قیام کی حالت میں رات کے اوقات فرماں برداری میں گزارتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید لگا رکھتا ہے (کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا؟) تم فرماؤ: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟ عقل والے ہی نصیحت لیتے مانتے ہیں۔

اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ۔ (سورہ حجرات: ۱۳)

بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، تم سب کو شعبے اور قبیلوں میں بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تمہارا شعبہ و پیشہ اور قبیلہ تمہارے آپس میں ایک دوسرے کا تعارف ہو سکے ۔

بنیادی پہلو:

-1 اکثر مسلمان ناخواندہ ہیں اور ہو سکتے ہیں لیکن پس ماندہ نہیں ۔

-2 پس ماندگی کا تعلق ذات برادری سے ہے نہ کہ اسلام اور مسلمان سے ۔

-3 بھارت میں پس ماندگی، ریزرویشن کی پیداوار ہے جو احساس کمتری کا بنیادی سبب ہے ۔

-4 بھارت کی 80 فیصد آبادی کی پس ماندگی کے مقابلے میں 20 فیصد مسلم آبادی کی پس ماندگی کا کوئی مقابلہ نہیں ۔

-5 وہ مسلمان خواندہ اور تعلیم یافتہ نہیں جو دین اسلام کو تعمیر و ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے، وہ بس ایجوکیٹیڈ ہے۔

عزیزان محترم! ہماری تلاوت کردہ پہلی آیت کے پورے حصے میں یہ ہدایت اور تعلیم دی گئی ہے کہ رب العالمین سے ڈرنے والے، راتوں میں اس کی خوشنودی کے لئے اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے والے اور آخرت پر یقین رکھنے والے ان کی طرح ہرگز نہیں جو ایسا عقیدہ اور کردار و عمل نہیں رکھتے، اس کے بعد واضح لفظوں میں مثالی انداز میں ہم سے سوال پوچھا گیا ہے کہ تمہارے آپس میں کیا پڑھے لکھے اور بغیر پڑھے لکھے لوگ یکساں ہوتے ہیں؟ سوال کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں کہ ان پڑھ اور خواندہ یکساں ہوں جس کا ایک واضح پیغام یہ ہوا کہ جو لوگ بہت زیادہ تعلیم یافتہ ہوں لیکن اپنے خالق و مالک کی فرماں فرداری نہ کریں وہ ان پڑھ ہیں، وہ تعلیم یافتہ اور خواندہ ہیں اور ہماری زبان میں کہا جائے تو یہی لوگ پس ماندہ ہیں جنھوں نے اپنے رب کو بھلا دیا ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری تقسیم انسانیت، ذات برادری اور نسل و علاقائیت کی بنیاد پر نہیں کی ہے بلکہ قبیلہ یا خاندان اور پیشہ و ہنر مندی کی بنیاد پر فرمائی ہے. لیکن ہم نے اپنے مسلم سماج کو دوسروں کی طرح ذات برادری کی بنیاد پر تقسیم کر لیا ہے جیسا کہ نام نہاد دانشوروں نے علم اور تعلیم کو دینی اسلامی اور دنیاوی تعلیم میں تقسیم کر دیا ہے حالانکہ ہمارے پیغمبر اسلام نبی آخر الزماں علیہ الصلوۃ والسلام نے علم اور تعلیم کی تقسیم، مفید یا غیر مفید ہونے اور نفع بخش اور غیر نفع بخش ہونے سے فرمائی ہے. اس لئے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ اولاً تو یہ تقسیم خلافِ واقعہ ہے، ہندو سماج سے متاثر ہونے کے باوجود آج بھی مسلمان معاشرہ میں ذات پات کی جڑیں اتنی گہری نہیں، کیوں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو محض خاندان کی نسبت سے حقیر نہیں سمجھتا، ایسا نہیں کہ بعض مسجدیں سادات و شیوخ کے لئے مخصوص ہوں اور دوسروں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہو، ایسا نہیں کہ کوئی انصاری اور قریشی امام ہو تو مغل اور پٹھان ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیں، ایسا نہیں کہ خانقاہوں میں اصلاح و مشیخت کے منصب پر صرف سادات و شیوخ ہی فائز ہیں، ہاں ہندوستان کے بعض علاقوں میں شادی بیاہ کے مسئلہ میں خاندانی نسبت کو مبالغہ آمیز حد تک پیش نظر رکھا جاتا ہے لیکن آج بھی اکثر شہروں میں ایسی تقسیم نہیں، مختلف خاندانوں میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات ہیں اور جہاں ذات برادری کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، وہاں بھی یہ ایک روایتی اور رواجی عمل ہے، ورنہ کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ اپنے خاندان سے باہر دوسرے مسلمانوں سے شادی درست نہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شادی میں خاندانی نسبت کا لحاظ رکھنے کے سلسلہ میں جو غلو پایا جاتا ہے، وہ بہت سے مفاسد کا باعث ہے، اس لئے اسے دُور کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اس کی وجہ مرتد ہونے کی مصیبت آن پڑی ہے جس کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے .

دراصل جب کوئی عمل مسلسل ہونے لگتا ہے تو وہ عقیدہ بن جاتا ہے، یعنی شروع میں تو اس عمل کے پیچھے کوئی اعتقاد اور گہری فکر کارفرما نہیں ہوتی لیکن بتدریج وہ انسانی فکر کا ایک حصہ بن جاتا ہے؛ اسی لئے جب ذات پات کی بنیاد پر ریزرویشن دینے کی سوچ پیدا ہوئی تو ابتداء میں تو محض ایک سیاسی عمل تھا لیکن آہستہ آہستہ لوگوں کے دل بھی تقسیم ہونے لگے، ان کی سوچ بھی بدلنے لگی اور مسلمانوں میں بھی برادرانِ وطن کی طرح ذات پات کی گہری تقسیم خدانخواستہ پیدا ہو گئی، اب غور کیجئے، جو دین اس طبقاتی تصور کو مٹانے کے لئے آیا جس نے انسانی وحدت کا تصور دیا، اسی دین کی حامل اُمت اپنے آپ کو اونچے نیچے طبقات میں تقسیم کر لے، اس سے زیادہ بد قسمتی کی کوئی بات ہو سکتی. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا: اللہ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور آباء واجداد پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے، اب یا تو وہ مومن ہے جو تقویٰ رکھتا ہو یا وہ بدکار ہے جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ (سنن ابو داؤد)

ایک اور روایت میں ہے: تم لوگ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رُسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے، انسان کے شریر ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (صحیح مسلم)

اس لئے اس تصور کو قبول کرنا اسلام کی بنیادی فکر کے مغائر ہے۔ آج اور کی حکومتیں جن مسلمان خاندانوں کو پس ماندہ اور پست طبقہ قرار دیتی ہیں اور اس بنیاد پر ان کو کچھ رعایت دینا چاہتی ہیں، کیا وہ ان کو اپنے لئے یہ بات پسند ہے کہ انھیں کمتر اور رذیل تصور کیا جائے اور اس بنیاد پر کچھ ملازمتوں کی بھیک دے دی جائے؟ پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ آئندہ نسلوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا، برادرانِ وطن میں جو لوگ دلت کہلاتے ہیں، ان کے اندر اپنی کمتری کا احساس اس درجہ راسخ ہو چکا ہے کہ نکالے نہیں نکلتا، اگر آج مسلمانوں کے کچھ خاندانوں کو پسماندہ ذات قرار دے دیا گیا جیسا کہ ذات برادریوں کے نام پر بہت سے مسلم نیتا بھی پس ماندگی کے نام پر سیاست کرتے ہیں، تو پچاس سو سال کے بعد ان کی آنے والی نسلیں بھی ایسے ہی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں

گی؛اس لئے مسلمانوں کو متفقہ طور پر اپنے پس ماندہ اور درماندہ ہونے کو مسترد کرنا چاہیے اور ضرورت کے تحت اس بات کا مطالبہ کرنا چاہیے کہ انھیں معاشی بنیاد پر ریزرویشن دیا جائے، نہ کہ ذات پات کی بنیاد پر۔

کسی مسلمان سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لفظ ''قرآن'' کا مطلب ہی تلاوت، خطاب اور گفتگو ہے۔ جہاں تک پیغمبر محمد ﷺ کی احادیث کا تعلق ہے تو حدیث پاک کی ہر کتاب میں ایک باب ''باب العلم'' (تعلیم و تعلم کا خزانہ) کے نام سے ہوتا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق لفظ ''علم'' کا استعمال قرآن مجید میں سات سو پچاس بار ہوا ہے اور قرآن حکیم کے مطابق ہر علم کا ذریعہ خدا ہے، اسی نے انسان کو علم عطا کیا ہے۔ کچھ علوم خدا کی طرف سے پیغمبر ﷺ پر قرآن کے واسطہ سے وحی کیے گئے ہیں جو، اخلاقیات واعتقادات سے متعلق ہیں اور بعض علوم انسان کو اس کی کوشش سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں وہ علوم شامل ہوتے ہیں جو طبیعاتی مظاہر سے متعلق ہوتے ہیں۔

لیکن قرآن پاک اور سنت رسول اللہ اور مسلمانوں کی روشن تاریخ کا خلاصہ یہی ہے کہ علم جو بہشت کا راستہ روشن کرتا ہے؛ یہ ریگستان میں ہمارا دوست ہوتا ہے، تنہائی میں ہمارا سماج ہوتا ہے، دوستوں کی عدم موجودگی میں ہمارا ساتھی ہوتا ہے؛ یہ ہمیں خوشی دیتا ہے؛ یہ مشکل میں ہمیں سہارا دیتا ہے؛ دوستوں کی رفاقت میں یہ ہمارا گہنا ہوتا ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری زرہ ہوتا ہے۔ علم کے ذریعہ بندۂ خدا خوبی کی بلندی اور باعزت مقام تک پہنچتا ہے، اس دنیا کے فرماں رواؤں سے رابطہ بھی قائم کرتا ہے بلکہ خود حکمراں بھی بنتا ہے اور آخرت میں اوج مسرت حاصل کرتا ہے۔

علمائے اسلام کے سرخیل ابن خلدون فرماتے ہیں: علم تین بنیادی وجوہات کی بنا پر لازمی ہے: یہ انسانی برادری اور سماج کے مابین تعاون کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ انسان کی ملن ساری ایک ایسی حقیقت ہے جس پر سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس لئے کہ زندگی میں کچھ بھی تنہا رہ کر نہیں کیا جا سکتا، صرف علم ہی انہیں مختلف موقعوں پر ایسے تعاون کے مقصد اور فطرت کے سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ دوسرے زندگی کے راستے متعدد سخت معاملات میں منتشر ہوتے ہیں۔ انسان کو علم کی سخت ضرورت پڑتی ہے جس سے وہ اچھے اور بُرے کے درمیان فرق کرے تاکہ وہ دوسرے کو نظرانداز کر سکے اور پہلے کو اختیار کر سکے۔ اور علم وقت بچاتا ہے اور متعدد ناقابل تسخیر زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے انسانی قویٰ میں اضافہ کرتا ہے۔ ''

اگر ہم اپنے معاشرہ میں خاص طور سے مسلمانوں میں جاری تعلیمی صورتِ حال کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ تعلیم کے تعلق سے والدین اپنے بچوں کی تعلیمی اعتبار سے تربیت کرنے میں مجرمانہ لاپرواہی برت رہے ہیں۔ یہی لاپرواہی اور کوتاہی دراصل فکری پس ماندگی ہے جو کسی فرد کی بیماری ہے نہ کہ پورے سماج کی شناخت. والدین کی یہ لازمی ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ اپنے بچوں میں بچپن ہی سے تعلیم کا چلن عام کریں تاکہ وہ اپنے والدین کی فکری اور عملی پس ماندگی کا نمونہ نہ بن جائیں۔

اب یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ پڑے لکھے اور بے پڑھے لکھے برابر نہیں، یہ قرآن حکیم کا فیصلہ اور مزاج ہے بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کا قانونی سماجی مزاج بھی یہی ہے اور معلم کائنات نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ پڑھا لکھا ہونے کا مطلب، نفع بخش اور مفید ہونا ہے یعنی وہ خواندہ اور تعلیم یافتہ انسان اور سماج مفید نہیں جو دوسرے انسان اور سماج کے لئے نفع بخش نہیں. آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عرب، ایران، مشرق وسطیٰ، ترکمانی خطہ، خلیجی اور مغربی ممالک اور ہندوستان پر مسلمان دسیوں صدی تک حکمراں رہے، اس کی ایک خاص اور بنیادی وجہ، یہی نفع بخش اور مفید تعلیم یافتہ ہونا ہے کیونکہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کی یہ تعلیم بھی ہمیشہ یاد رکھی ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرو، وہی دوسروں اور اپنے ماتحتوں کے لئے بھی پسند کرو. اس کی سیکڑوں مثالیں بھارت میں ملتی ہیں جہاں اردو عربی فارسی کو غیر ملکی زبان کہنے لگے ہیں یہاں بہت سے غیر مسلم اور ہندو بھی قرآن و

حدیث کے مترجم و شارح اور عربی فارسی کے علامہ رہے ہیں بلکہ آج بھی ہیں جب کہ اردو زبان کے علامہ، غیر مسلم سماج میں آج بھی بہتیرے ملیں گے. آپ جانتے ہیں کہ بھارت میں قرآن و حدیث، اسلامی فقہ و ادب اور تاریخ کی کتابوں کا عربی فارسی زبان میں سب سے بڑا طابع و ناشر لکھنؤ کے منشی نول کشور تھے جن کو عظیم پبلشر ہونے کا ایوارڈ مل چکا ہے. یہ سب اسی لئے ممکن ہو پایا ہے کہ مسلمانوں نے وہ تعلیم حاصل کی جو احساس برتری سے محفوظ رکھتے ہوئے احساس کمتری کی پس ماندگی سے دور رکھے. یعنی پس ماندگی دراصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ مذہبی عصری دانش گاہوں اور مدرسوں کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا جیسے دہلی کا علاءی مدرسہ، مدرسہ صفدر جنگ، مدرسہ فیروز شاہی، مدرسہ خضر شاہی (وغیرہ) اور باقی مدرسوں کو عربک انگلش اسکول میں تبدیل کر لیا گیا جیسے اپنے وقت کے ایڈوانس مدرسہ کو انگلو عربک اسکول میں تبدیل کر دیا گیا. جنتر منتر کے موسم بھون کو نمائش گاہ میں تبدیل کر دیا گیا، اپنے وقت کے بہت بڑے مدرسہ صفدر جنگ اور لودھی مدرسہ کو تماشا گاہ میں بدل دیا گیا ہے. کسی دانش گاہ اور درس گاہ کو بند کرنے کی پس ماندگی کبھی مسلمانوں میں نہیں رہی. کیا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جوہر یونیورسٹی رام پور، مولانا مظہر الحق یونیورسٹی عظیم آباد پٹنہ، مدرسہ عالیہ یونیورسٹی کلکتہ، برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال، ہمدرد یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی دہلی، انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ، البرکات یونیورسٹی علی گڑھ، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد، خواجہ بندہ نواز یونیورسٹی گلبرگہ، مرکز سنی سینٹرل یونیورسٹی کانتاپورم کیرلا، دار الہدیٰ اسلامک یونیورسٹی کاسرکوڈ کیرلا، الفلاح یونیورسٹی ہریانہ، مولانا آزاد یونیورسٹی راجستھان (وغیرہ) جیسی دانش گاہیں قائم کرنے والی مسلم قوم بھی پس ماندہ ہو سکتی ہے؟ اپنی خریدی ہوئی زمینوں پر اپنی ملی قومی مالیت اور بجٹ سے یونیورسٹی بنانے کی یہ تاریخ غیر مسلم سماج میں آبادی کی کثرت کے تناسب کے مطابق دیکھا جائے تو مایوسی ہوتی ہے.

یونیورسٹی کے علاوہ آج کے ہندوستان میں مسلمانوں نے سیکڑوں بڑے کالج، ہزاروں اسکول اور ہزاروں ٹریننگ اور کوچنگ سینٹر کھول رکھے ہیں جو بھارت سرکار کی تعلیمی ضرورت کو پوری کرتے ہیں پھر بھی ہم مسلمانوں کی پس ماندگی کا نعرہ خوشی سے قبول کر لیتے ہیں اور اپنی نسلوں کے دل و دماغ میں احساس کمتری کی بیج بوتے ہیں. غلام بھارت کے دو سالوں میں اور آزاد بھارت کے پچہتر سالوں میں تاریخ اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی سے تحریک آزادی تک، 1857 سے 1947 تک، دستور سازی سے جمہوری دستور تک، سرحد سے دفاع تک، اسلحہ سازی سے میزائل سازی تک، سیاست سے ایوان تک اور گاؤں دیہات سے شہروں تک تعلیم یافتہ اور خواندہ مسلمانوں نے جو کردار پیش کیا ہے وہ ہمیں سبق دیتا ہے کہ غلام ہندوستان میں گاندھی جی جیسے مسلمانوں کے لیڈر بھی تعلیم یافتہ بہادر مسلمانوں کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے تھے، سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج بھی تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ مسلمانوں کے بغیر ادھوری ہے اور دستور سازی کمیٹی کے صدر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر بھی دستور ہند کے مطابق اولین انتخاب اور پارلیمنٹ کے ابتدائی دنوں میں خواندہ مسلمانوں کے کندھے پر سوار ہو کر ہی اپنا وجود باقی رکھ پاتے ہیں، اس لئے بڑے بڑوں کو بہت بڑا بنانے والی قوم مسلم کے افراد کبھی بھی اپنے آپ کو پس ماندہ نہیں سمجھیں.

آخری بات

آج بھی دیکھنا ہے کہ مسلم سماج کے طلبہ و طالبات اور نوجوان کتنے خواندہ، تعلیم یافتہ، حوصلہ مند اور ہنر مند ہیں تو ہر سال مختلف سرکاری اور غیر سرکاری شعبے اور میدانوں میں جو پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرتے ہیں بلکہ ٹاپ ٹین، پہلے دس میں شامل ہوتے ہیں، جمعہ کی تقریروں میں اور کسی خاص اجلاس میں ان کا ضرور تذکرہ کریں، ان کی محنت اور لگن سے انھیں ملنے والی بڑی کامیابی کو یاد کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کریں تو ہمارے دوسرے بچے اور بچیاں بھی تعلیم کے شعبے میں اپنا وجود ثابت کرنے کے لئے اپنی لگن اور محنت میں تیزی پیدا کریں گے اور پہلے سے بہتر کامیابی کا مظاہرہ کریں گے. ان شاءاللہ